ضبط و ترتیب حضرت مولانا سمیع الحق

اسلام اور سائنس تجدّد اور استشراق

چاند تک رسائی اور اسلامی تعلیمات

شیخ الحدیث مولانا عبدالحق ؒ کا خطبہ جمعۃ المبارک ——— ۹ رجمادی الاوّل ۱۹۶۹ء

جب ۱۹۶۹ء میں خلانوردوں نے چاند تک رسائی کے دعوے کئے تو اس پر محدود نظر رکھنے والے بعض علماء نے شدت سے نکیر کی جس سے ملک بھر میں بے چینی، اضطراب اور شکوک و شبہات نے سادہ لوح مسلمانوں کو پریشان کر دیا، خود علمی اور دینی حلقے اور علماء بھی ایک جامع، مفصل اور مدلل اور ٹھوس حقائق پر مبنی مواد کے منتظر تھے کہ حضرت شیخ الحدیث ؒ کا یہ خطبہ جمعۃ المبارک حضرت مولانا سمیع الحق مدظلہ نے جب ماہنامہ الحق میں شائع کر دیا تو روزناموں کے علاوہ ہفت روزوں، ماہناموں نے بھی بڑے طمطراق سے اسے شائع کیا اور افغانستان کے پشتو روزناموں میں بھی اس کی اشاعت ہوتی رہی جس میں اسلام، سائنس اور تجدد و استشراق پر بھرپور سیر حاصل تبصرہ کیا گیا ہے اور اسلامی تعلیمات کی روشنی میں چاند تک رسائی کی شرعی حیثیت واضح کی گئی ہے۔ (ادارہ)

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم قال اللہ تعالیٰ ولقد کرمنا بنی آدم وحملناھم فی البر والبحر وفضلناھم علیٰ کثیر ممن خلقنا تفضیلا۔

کائنات پر انسان کی فضیلت

محترم بزرگو! خداوندکریم نے انسان کو کائنات پر صوری و معنوی فضیلت عطا فرمائی ہے۔ جسم میں انسان بہت چھوٹا ہوتا ہے مگر صوری و ظاہری محاسن میں سارے عالم پر فائق ہے اور عقل و ادراک علم اور دوسری معنوی خوبیوں میں بھی ساری مخلوقات پر اسے سبقت حاصل ہے۔ گویا کہ یہ پوری کائنات اس مختصر سے جسم میں سمٹ گئی ہے اور عالم اکبر اس عالم اصغر میں پنہاں ہے۔ اس لیے کہا گیا ہے کہ پوری آفاقی آیات اس چھوٹے سے "نفس" میں موجود ہے۔ وفی انفسکم افلا تبصرون۔ خداوندکریم کا ارشاد ہے کہ ولقد کرمنا بنی آدم وحملناھم فی البر والبحر وفضلناھم علیٰ کثیر ممن خلقنا تفضیلا (ہم نے بنی آدم کو کرامت سے نوازا ہے اور اسے بر و بحر میں اٹھایا اور اسے بہت سی مخلوقات پر فضیلت دی ہے)

اس فضیلت کی وجہ بار امانت کا اٹھانا ہے

اس فضیلت کو دوسری آیت میں اس طرح واضح فرمایا گیا، انا عرضنا الامانۃ علی السمٰوٰت والارض فابین ان یحملنا وحملھا الانسان۔ (ہم نے آسمانوں اور زمینوں پر اپنی امانت کے اٹھانے کی پیش کش فرمائی تو انہوں نے اس بار امانت کو اٹھانے کی ذمہ داریوں سے معذرت کی اور انسان پر جب اسے پیش کیا تو اس نے اس ذمہ داری کو اپنے ذمہ لگا دیا)۔

یاد رہے کہ امانت کی یہ پیش کش جب مخلوقات پر ہوئی تو انہیں اختیار دیا گیا کہ اگر اس امانت کا بوجھ تم نے اٹھایا اور اس کا حق ادا کیا۔ اور اپنی زندگی اس کے مطابق ڈھال دی تو تمہیں رضائے الٰہی، جنت اور دائمی عزت نصیب ہوگی اور اگر ذمہ داری قبول کرنے کے بعد بھی تم نے حق امانت پورا نہ کیا تو تمہیں دائمی عذاب اور جہنم میں داخل ہونا پڑے گا۔ اس لیے تمہیں اختیار ہے کہ امانت کے متحمل بنتے ہو یا نہیں۔ برداشت کر سکتے ہو یا نہیں۔ دونوں باتیں تمہاری مرضی پر ہیں۔ مگر عدم تحمل کی صورت میں تمہیں اسی حالت میں رہنا ہوگا۔ جمادات کی طرح کہ نہ ترقی ہوگی نہ عروج اور نہ عذاب کا خطرہ ہوگا نہ جنت کی امید ہوگی تو آسمانوں اور زمین نے امانت کے نہ اٹھائے جانے کو ترجیح دی کہ کہیں کوتاہی کی صورت میں عذاب میں مبتلا نہ ہونا پڑے۔

انسان کی فطرت میں محبت ہے

مگر انسان جو کہ بالطبع رب العزت کا عاشق ہے اور عشق کے جذبہ سے اس کی روح اور اس کا قلب سرشار رہتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ قلب ہر وقت متحرک اور مضطرب رہتا ہے اور دھڑکتا رہتا ہے گویا کہ محبوب حقیقی کی تلاش اور یاد میں اپنی ہر حرکت سے اللہ اللہ کی ضربیں لگاتا ہے ایسے عاشق طبعی کو تو محبوب کا اشارہ بھی کافی ہوتا ہے تو جب محبوب کی طرف سے پیشکش ہوتی اس کو فوراً جذبہ عشق نے قبولِ امانت پر آمادہ کر دیا اور یہ پرواہ نہ کی کہ ذمہ داری میں کوتاہی کی صورت میں کیا کیا مصیبتیں پیش آئیں گی؟ دیکھئے! فرہاد جو مجازی عاشق تھا محبوب کے اشارۂ ابرو پر پہاڑ کھودنے لگا تو انسان جو کہ عاشق حقیقی ہے محبوبِ حقیقی کے اشارے پر کیوں بارِ امانت اٹھانے سے جھجکتا اور اس کا نتیجہ یہی نکلا کہ خداوندکریم نے اسے آسمانوں زمینوں اور ساری مخلوقات پر فوقیت دی۔ یہ راعی اور وہ رعیت بنے۔ ساری کائنات اس کی مسخر ہوتی، اس کو بحر و بر اور آسمانوں و زمین کے درمیان ساری فضا پہ چلنے اور ان میں تصرّف کرنے کی اجازت ملی اور بنی نوع انسان کے جدِ امجد حضرت آدمؑ کو خلیفۃ اللہ کا خطاب دیا گیا اور عالم کی تمام اشیاء میں تصرف کرنے اور اس کی تحلیل و ترکیب کی اجازت ملی اشیاء کے اسماء اور خاصیتیں اسے بتلا دی گئیں۔

کائنات میں تصرف کی راہنمائی انبیاء نے فرمائی

اس تصرّف اور استعمال کی رہنمائی رسولوں کے ذریعے فرمائی جو معصوم اور معلم من اللہ تھے تاکہ انسان نفس اور شیطان کے دھوکہ اور خواہشاتِ نفسانی کی وجہ سے اس امانت کو غلط طور پر استعمال نہ کرے اور تمام چیزوں کی ترکیب و تحلیل اپنے موقعہ پر اور نیک مقصد کے لیے کرے اشیاء میں بے جا تصرف سے بذریعہ وحی منع کر دیا گیا اور دیگر فضیلتوں کے علاوہ اسے نعمت علم سے نوازا گیا جو انسان کی خصوصیت ہے ان انبیاء کو دیئے گئے علوم میں رفتہ رفتہ ترقی ہوتی رہی، یہاں تک کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لاتے ان کی ذات پر علومِ نبوت کی تکمیل کر دی گئی۔

علوم کا ظہور اور تکمیل حضورؐ کی ذات پر ہوئی

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی امت کو جو علوم دیئے گئے اس کی نظیر سابقہ ادوار اور گذشتہ امتوں میں نہیں ملتی۔ بخاری شریف میں حدیث ہے کہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم شب معراج میں جبرئیل علیہ السلام کے ساتھ اوپر تشریف لے جا رہے تھے تو بیت المقدس میں بطور مہمانی و ضیافت مختلف مشروبات پیش کئے گئے ایک گلاس پانی کا بھرا ہوا تھا ایک میں شہد تھی اور ایک میں دودھ تھا اور ایک میں شراب تھی۔ مگر یاد رہے کہ یہ جنت کی شراب تھی، یعنی شراب طہور جو مسلمانوں کو جنت میں ملے گی اور طیّب و طاہر اور ہر قسم کی خرابیوں سے پاک صاف ہوگی مگر پھر بھی شراب ہی اس کا نام تھا۔ حضور اقدسؐ نے نہ پانی لیا نہ شہد اور نہ شراب بلکہ دودھ پی لیا۔ حضرت جبرئیل نے فرمایا، الحمد للہ! کہ آپ نے دودھ پی لیا یہ فطرت کے مطابق ہے اور دودھ عالم مثال میں علم کی شکل ہے گویا اشارہ تھا کہ آپؐ کی امت علم میں باکمال اور سارے عالم میں ممتاز رہے گی۔ اگر آپ شہد پی لیتے تو امتّ لذتوں میں پڑ جاتی اور اگر شراب پی لیتے جو اگرچہ طہور تھا تو امت گمراہی میں مبتلا ہو جاتی اگر پانی پی لیتے تو بے کمال رہ جاتی کیونکہ پانی صفات اور کمالات سے خالی ہے نہ میٹھا نہ کڑوا نہ سرخ نہ زرد نہ خوشبودار اور نہ بدبودار۔ اس میں بالفعل کوئی کمال نہیں، شہد میں لذّت اور مٹھاس ہے۔ شراب ویسی مزیل عقل ہے اور اخلاق رذیلہ برانگیختہ کرتی ہے۔ حضورؐ نے ان سب کو چھوڑ کر دودھ پی لیا جو علم سے تعبیر ہے۔

تو امتّ میں بھی علم سرایت کر گیا، کیونکہ قاعدہ ہے کہ استاد کا رنگ شاگرد میں سرایت کرتا ہے اور باپ سے مخفی اثرات اولاد میں پائے جاتے ہیں۔ حضورؐ کا ارشاد ہے، **الولد سر لابیه** بچہ باپ کا راز ہے اس کی خفیہ صفات اس میں منتقل ہوتی رہتی ہیں۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے، **اوتیت علم الاولین والآخرین** (مجھے پچھلے اور اگلے سب لوگوں کا علم دیا گیا) دوسری حدیث میں ہے، **انا مدینة العلم** (میں تو علم کا شہر ہوں) تو حضورؐ کا اثر اوپر تو ساری امت پر ہوتا ہے کہ پوری امت علم کی وارث ہے۔ البتہ اتنا یاد رہے کہ علم کی دو قسمیں ہیں۔ علم مادیات، جس میں صنعت اور زراعت، حرفت، طب ڈاکٹری سرجری اور سائنس جغرافیہ وغیرہ شمار ہیں اور علم روحانیات جس میں تمام علوم مذہبیہ دینیہ داخل ہیں۔

امت دعوت و امتّ اجابت

اسی طرح امتّ کی بھی دو قسمیں ہیں امتِ دعوت جنہیں حضورؐ کی دعوت متوجہ ہے کہ آؤ **قولوا لا اله الا الله** یہ دعوت الی الاسلام کل دنیا کے باشندوں کے لیے ہے اور قیامت تک آنے والے انسانوں کو ہے، **وما ارسلنك الا كافة للناس** (ہم نے نہیں بھیجا تمہیں مگر نوع انسانی کے لیے) **بشيرًا ونذيرا** خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا۔ تو کل دنیا کے انسان یورپ کے ہوں یا ایشیا کے، مشرق کے ہوں یا مغرب کے یا افریقہ کے دور دراز علاقوں کے غیر متمدن وحشی ہوں سب کے سب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت دعوت ہے۔ آج بھی حضورؐ کی دعوت انہیں مخاطب کر رہی ہے جیسا کہ چودہ سو برس پہلے تھا۔ مگر اس امت نے دعوت قبول نہیں کی اس لیے کافر ہے۔ اتنی بڑی نعمت کی ناشکری کرنے والی ہے اور جنہوں نے حضورؐ کی دعوت قبول کی ہے وہ امت اجابت ہے کہ دعوت

کی اجابت میں انھوں نے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہہ دیا ہے ایسی امت کو امت مسلمہ کہا جاتا ہے۔

اصل علوم علومِ نبوّت تھے جو مسلمانوں کو ملے

علم ساری امت کو حضورؐ کی آمد اور بعثت کے بعد ان ہی کی برکت سے ملا۔ مگر امت دعوت کو زیادہ حصّہ علوم مادیہ کا ملا اور امتِ اجابت یعنی مسلمانوں کو وافر حصّہ علومِ غیب، علومِ نبوت و آخرت کا ملا جو اشرف ترین علوم تھا۔ علوم مذہبیہ میں امتِ مسلمہ کو جو مقام حاصل ہوا اور جو تحقیقات ہر ہر مسئلہ اور ہر ہر موضوع پر علماء امت نے پیش کیے۔ اس کی نظیر کوئی قوم پیش نہیں کر سکتی جس کا کچھ حصّہ لاکھوں کتابوں اور سینکڑوں علوم کی شکل میں آج بھی موجود ہے اس کا عشر عشیر بھی گذشتہ مسلمان امتوں میں نہیں ملتا۔

مادی اور روحانی علوم کا پورا ظہور حضورؐ کے بعد ہوا

اسی طرح امتِ دعوت نے مادی علوم تمدنی مسائل اور سائنسی تحقیقات اور تکوینیات کے مخفی اسرار ظاہر کرنے میں جو ترقی کی اس کی مثال حضورؐ سے پہلے زمانہ کی امتوں میں نہیں مل سکتی۔ الغرض ان تمام علمی کمالات کا ظہور امت مطلقہ میں اسی مخزن علم کے کمالات کا پرتو ہے جو سید الرسل اور خاتم النبیین ہے۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ پھر ترقی کا یہ سلسلہ کہیں جا کر ختم نہیں ہوگا۔ بلکہ دینی اور دنیوی علوم میں قیامت تک امت ترقی کرتی رہے گی تو جس امت کا پیغمبر سارے علوم اور کمالات کا سرچشمہ ہے اس کی امت کسی علمی انکشاف اور علمی ترقیات کی کب مخالفت کر سکتی ہے۔ یا علم کی کوئی صحیح نئی بات جامع العلوم نبی کریم علیہ السلام کی تعلیمات کی کب مخالفت ہو سکتی ہے۔

خلائی پرواز اور اسلامی تعلیمات

آج کل چاند تک انسان کی رسائی اور پرواز نے ہر فرد کی توجہ اپنی طرف مبذول کرا دی ہے۔ سائنس کی اس ترقی نے بعض مسلمانوں کو حیرت میں ڈال دیا ہے اور وہ اس غلط فہمی میں ہیں کہ اس سے اسلامی تعلیمات پر زد پڑتی ہے حالانکہ یہ تو محض ایک سائنسی اور تمدنی ترقی کا مسئلہ ہے۔ زندگی کے تمدنی مسائل میں ہر دور اور ہر زمانہ کے لوگوں میں پچھلوں کی بہ نسبت ترقی ہوتی آرہی ہے اور ہمارے اسلاف نے کبھی اس کو دیکھ کر یہ خیال ہی نہیں کیا کہ اس ترقی سے اسلامی اصول مجروح ہوتے ہیں مثلاً پہلے زمانے میں سواری کا وسیلہ گھوڑا، خچر اور اونٹ تھا۔ پھر موٹر اور ریل بنائی گئی۔ رفتہ رفتہ ہوائی جہاز ایجاد ہوئے اب اس میں میزائلوں اور راکٹوں کا اضافہ ہوا اور اس کے بعد بہت ممکن ہے اور بھی تیز رفتار ذرائع سفر پیدا ہو جائیں۔

قرآن کریم میں تیز رفتار سواریوں کی طرف اشارہ

اللہ تبارک و تعالےٰ کا ارشاد ہے۔ والخیل والبغال والحمیر لترکبوها وزینة ویخلق مالا تعلمون۔ (اور پیدا کیے اللہ نے گھوڑے، خچر اور گدھے تاکہ تم ان پر سواری کرو اور ان میں تمہارے لیے زینت بھی ہے اور پیدا کیا ان کے علاوہ ایسی چیزوں کو جنہیں تم نہیں جانتے) ویخلق مالا تعلمون مضارع کا صیغہ ہے اس میں قیامت تک وجود پذیر ہونے والی تمام تیز رفتار سواریاں آگئیں۔ اسی طرح سمندری سواری کا ذکر فرما کر بعد کی ایجادات کی طرف اشارہ کر دیا گیا۔ وآیة لهم انا حملنا ذریتهم فی الفلك المشحون وخلقنا لهم من مثله ما یركبون (ان کے لیے قدرت کی نشانی ہے کہ ہم نے ان کی اولاد کو بھری ہوئی کشتی میں سوار کر دیا اور پیدا کیں ہم نے ان کے لیے کشتیوں کی مانند طرح طرح کی چیزیں جن پر یہ سوار ہوتے ہیں)۔

الغرض ان آیات میں تمام نئی نئی اور بری اور فضائی ایجادات کی طرف اشارہ موجود ہے۔ اسی طرح پہلے بات پہنچانے کا ذریعہ آمنے سامنے بات چیت کا تھا رفتہ رفتہ ترقی ہوئی تو تار، ٹیلیفون، لاسلکی یہاں تک کہ ریڈیائی لہروں سے کام لیا جانے لگا اور کئی ذرائع کلام پہنچانے کے پیدا ہو گئے۔

خلائی تسخیر خالص تمدنی اور سائنسی مسئلہ ہے

خلائی تسخیر کا مسئلہ بھی خالص تمدنی ترقی اور سائنسی تحقیق کا ہے جس میں کامیابی یا ناکامی دونوں کا دین سے کوئی تعلق نہیں۔ اسلام نے کبھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ انسان ہزار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے حرکت نہیں کر سکے گا اور نہ یہ کہا کہ خلاء میں ذی روح اجسام کی پرواز ناممکن ہے نہ اس نے یہ دعویٰ کیا کہ فضا میں کرۂ نار اور کرۂ زمہریر ہے جن سے ذی روح کا گزرنا محال ہے اور نہ یہ کہا کہ زمین کی کشش ثقل سے باہر نکلنا ناممکن ہے۔ یہ باتیں تو فلاسفۂ یونان کی مخترعات ہیں جن کی بطلان اور تردید اسلامی معتقدات ہی نے کر دی تھی۔

قرآن مجید اور لامحدود پرواز

قرآن مجید پلک جھپکنے میں ہزاروں میل مسافت طے کرنے کے نہ صرف امکان بلکہ وقوع کا قائل ہے۔ ملکۂ سبا کا تخت پلک جھپکنے میں حضرت سلیمانؑ کی خدمت میں حاضر کیا گیا: قال الذی عنده علم من الکتاب انا آتیك به قبل ان یرتد الیك طرفك (اور کہا اس شخص نے جس کے پاس علم تھا کتاب کا میں لا دیتا ہوں تیرے پاس اس تخت کو پہلے اس کے کہ لوٹ آئے تیری طرف تیری نظر)۔

اور وہ طرفۃ العین میں تخت لے آئے گویا کہ راکٹ کی تیز رفتاری سے اسلام کو انکار نہیں بلکہ اس سے بھی بڑھ کر حرکت اور سرعت ممکن ہے۔

خلائی پرواز مدارِ شرافت نہیں

باقی رہی ستاروں تک پرواز تو یہ آپ کو تمہید سے معلوم ہوا کہ انسان اشرف المخلوقات ہے اور پھر مدارِ شرافت اونچی پرواز کرنا نہیں ہے آج خلا میں بادل پھر رہے ہیں۔ چیل، گدھ، کوے اور دیگر پرندے جو یعنی فضا میں اڑ رہے ہیں۔ ایک دیو ہیکل جن نے حضرت سلیمان کو تختِ سبا چند لمحات میں پہنچا دینے کی پیش کش کی۔ خود انسان عرصہ سے کئی کئی میل اوپر ہوائی جہازوں پر پرواز کر رہا ہے تو اب اگر اس پرواز کی حد ڈھائی لاکھ میل خلا میں چاند تک پہنچ گئی یا آئندہ اس سے بھی بڑھ جائے تو اس میں کیا استحالہ اور تعجب ہے اور قرآن مجید کے کون سے دعویٰ کا مقابلہ ہوا جو باعثِ حیرت بن جاتے۔

جنات کی آسمانوں تک رسائی

قرآن مجید سے تو جنات تک کا آسمان تک پرواز ثابت ہوا ہے۔ قرآن حکیم نے سورہ جن میں جنات کی آپس میں گفتگو نقل فرمائی ہے۔

وانا لمسنا السماء فوجدناها ملئت حرسا شديدا وشهبا وانا كنا نقعد منها مقاعد للسمع فمن يستمع الآن يجد له شهابا رصدا۔ (اور یہ کہ ہم نے ٹٹول کر دیکھا آسمان کو پھر پایا ہم نے اس کو کہ بھرا ہوا ہے سخت چوکیداروں سے اور انگاروں سے اور یہ کہ ہم بیٹھا کرتے تھے ٹھکانوں میں سننے کے واسطے پھر اب جو کوئی سننا چاہے وہ پائے گا اپنے واسطے انگارہ گھات میں)۔

اس کی تفصیل بخاری شریف میں مذکور ہے کہ جنات اور شیاطین حضورؐ کی بعثت سے قبل آسمانِ دنیا تک پہنچ کر خفیہ ٹھکانوں پر بیٹھ جاتے تاکہ ملائکہ کی آپس میں گفتگو سن کر اسے کاہنوں اور نجومیوں تک پہنچا دیں اس میں سنی ہوئی کوئی بات تو درست ہوتی تھی اور سو باتیں جھوٹ اور من گھڑت ہوتی تھیں جس کا لوگوں میں مشہور ہو جانے پر اس وقت کے مذہبِ حق پر اثر پڑتا اس کے بعد دوسرے نبی آجاتے اور وہ اس جھوٹ اور حق سے مخلوط باطل کو باطل کر دیتے مگر حضور اقدسؐ آخری نبی تھے۔ خداوند کریم کو دین اسلام محفوظ رکھنا اور زائغین کی زیغ سے بچانا تھا تو حضورؐ کی بعثت کے بعد جنات کا آسمانوں تک پہنچنا روک دیا گیا اور جب جنات اوپر پہنچنے لگتے تو ان پر انگارے اور شہابِ ثاقب پھینکے جاتے تاکہ آسمانی باتیں نہ سن سکیں اور دینِ اسلام خلط ملط نہ ہو اور صعود بلکہ آسمانوں کو چھونے (لمس سماء) تک کا ثبوت ہوتا ہے۔ بعض روشن خیال اس کی بھی تاویل کرتے ہیں جس کی کوئی ضرورت نہیں۔ اللہ نے جنات میں آسمانوں تک پرواز کی صلاحیت رکھی ہے اس لیے جنات وہاں تک پرواز کرتے تھے جہاں تک پرواز پر پابندیاں لگی ہوئی نہ تھیں۔ اب اگر انسان اپنے علم و تحقیق اور خدا کے دیئے ہوئے وسائل کی بنا پر اوپر چلا جائے تو اس میں کوئی استحالہ نہیں۔

اسلام میں ستاروں تک رسائی کیلئے آسمانوں سے گزرنے کا کہیں ذکر نہیں

یہ غلط ہے کہ ستاروں تک پہنچنے کے لیے آسمانوں سے گزرنا پڑتا ہے اس لیے کہ اسلام میں کہیں بھی یہ ذکر نہیں کہ چاند آسمانِ دنیا اور سورج چوتھے آسمان پر ہے یا دیگر سیارے فلاں آسمان پر ہیں یا ثوابت سبعہ سیارہ ساتویں آسمان کے نیچے درجہ بدرجہ ہیں۔ یہ فلاسفہ یونان کا عقیدہ اور بطلیموس کا مسلک ہے جس کا ذکر تصریح و شرح چغمنی میں پایا جاتا ہے نہ کہ فلاسفہ اسلام کا۔

سائنس کے متضاد نظریات اور اسلام

ہم مسلمان نہ تو قدیم فلاسفہ کے معتقد ہیں اور نہ جدید فلاسفہ کے، ان فلاسفہ کا ابطال آپس میں خود اور فلاسفہ فیثاغورث وغیرہ نے کی ہے اور آج کے سائنسدان قدیم سائنس کو خود لغو اور باطل قرار دے رہے ہیں۔ پھر جدید سائنسدانوں کا آپس میں شدید اختلاف ہے اور ان کے نظریات آپس میں متصادم تو ہم خواہ مخواہ اسلام کو کیوں ایک فریق بنائیں البتہ اتنی بات واضح ہے کہ آسمانوں کے اندر داخل ہونے کے لیے اجازت لینی پڑتی ہے۔ آسمانوں کے دروازے ہیں جو بند رہتے ہیں۔ اندر جانے والا بغیر اجازت رب العالمین کے نہیں جا سکتا جیسا کہ حدیثِ معراج سے معلوم ہوتا ہے کہ جب ابراہیم علیہ السلام حضورِ اقدس کو لے کر آسمان کے دروازے پر پہنچے اور دروازہ کو دستک دی تو فرشتوں نے پوچھا کون؟ انہوں نے فرمایا جبرئیل۔ پھر انہوں نے پوچھا تمہارے ساتھ کون ہے؟

من معك قال محمد صلى الله عليه وسلم قيل ارسل اليه قال نعم ففتح۔ جبرئیل نے فرمایا، محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ تب دروازہ کھول دیا گیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ افلاک میں داخلہ بغیر اجازتِ خداوندی کے نہ فرشتہ کو ہے نہ نبی مرسل کو اور حضور اقدسؐ کا داخلہ آسمانوں میں ہوا مگر اجازت ملنے اور دروازہ کھول دینے کے بعد۔

موجودہ ترقیات کا اثر باطل مذاہب اور فلسفہ پر پڑتا ہے۔

اب اگر ستاروں کے بارہ میں اسلام نے کہا ہوتا کہ آسمانوں کے

اندر ہیں تب تو اشکال درست ہو تا کہ راکٹ اور خلائی جہاز آسمان کے اندر بغیر اجازتِ خداوندی کیسے داخل ہوتے جو کبھی نہیں ہو سکتے۔ مگر جب ہم بطلیموسی اقوال کے پابند نہیں ہم تو اسلام کے قائل ہیں تو یہ اشکال ہمارے اوپر وارد ہی نہیں ہوتا۔ جن مذاہب نے یہ دعویٰ کیا ہے ان پر اس کی زد پڑتی ہے مسلمانوں پر نہیں۔

تمام ستارے آسمان کے نیچے ہیں

قرآن مجید کا تو اعلان ہے کہ: ولقد زینا السماء الدنیا بمصابیح وجعلناها رجومًا للشیاطین۔ (ہم نے آسمانِ دنیا کو ستاروں سے مزین کر دیا اور ہم نے بنایا انہیں شیاطین کو مارنے کی چیز)۔

شیاطین تو آسمانوں تک جا کر باہر رہتے ہیں۔ آسمانوں میں تو داخل نہیں ہو سکتے۔ پھر ان ستاروں سے ان کا رجم تب ہی ہو سکتا ہے کہ ستارے بھی آسمان دنیا سے باہر ہوں اور دنیا کی زینت بھی ان ستاروں سے تب ہی ہو سکتی ہے اس لیے تو عبد اللہ بن عباس نے فرمایا۔

النجوم قنادیلُ معلقة بین السماء والارض بسلاسل من نورٍ بایدی الملائکة۔ (ستارے لٹکے ہوئے فانوس ہیں آسمان اور زمین کے درمیان نور کی زنجیروں کے ساتھ جنہیں فرشتے تھامے ہوئے ہیں)۔

علامہ آلوسیؒ روح المعانی میں فرماتے ہیں "جدید سائنسدانوں کا قول بھی اس کے قریب قریب ہے مگر ان کے ان نور کی زنجیروں کی تعبیر کشش اور مرکز ثقل کے نام سے ہوتی ہے۔ ویقرب منه قول الفلاسفة الجدیدة لكن بالجذب (روح المعانی جلد ۱۵)

سورہ طلاق میں آیت ومن الارض مثلهن کے تحت تو صاف تصریح علامہ آلوسی نے کی ہے کہ:

ولم یقم دلیلٌ علی ان شیئًا من الکواکب مغروزٌ فی شیءٍ من السماوات کالفص فی الخاتم والسمار فی اللوح۔ (اس بات کا کوئی ثبوت نہیں کہ کوئی ایک ستارہ بھی آسمان میں ایسا جڑا ہوا ہے جیسا انگوٹھی میں ہیرا یا تختی میں میخ)

امام ابو حنیفہؒ کے استاد عطاؒ بن ابی رباح کا بھی ایسا ہی قول ہے۔

علامہ آلوسیؒ نے سورہ طلاق میں اسرائیلی روایات کی بھی تردید کی ہے کہ اکثر ناقابل اعتماد ہیں۔ باقی جن آیات سے ستاروں کا آسمانوں میں ہونا مترشح ہوتا ہے اس کی تردید روح المعانی کے مختلف مقامات پر موجود ہے اور عموماً ایسے مقامات میں ادنیٰ ملابست کے طور پر یا مجازاً نسبت کی گئی ہے۔

کلٌّ فی فلکٍ یسبحون کی تفسیر

مثال کے طور پر قرآن کریم کی آیت کلٌّ فی فلکٍ یسبحون سے بظاہر لوگوں نے یہ فہم کیا ہے کہ سب ستارے آسمان میں تیر رہے ہیں مگر علامہ آلوسیؒ نے لکھا ہے کہ اکثر مفسرین نے اس سے مراد اس سورج کو لیا ہے جو روک دی گئی ہے آسمان کے نیچے جس میں چاند اور سورج گردش کرتے ہیں۔ قال اکثر المفسرین هو موجٌ مکفوف تحت السماء تجری فیه الشمس والقمر وقال الضحاک هو لیس بجسمٍ بل مدار هذه النجوم۔ حضرت ضحاک کہتے ہیں کہ فلک سے مراد جسم نہیں بلکہ ان ستاروں کا مدار ہے۔ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی نے بھی ان احتمالات کو ذکر کرتے ہوئے آیت کو آسمان کے مفہوم میں مبہم قرار دیا ہے۔ الغرض اکثر مفسرین محل کواکب کو جس میں وہ گردش کرتے ہیں تحت السما تسلیم کرتے ہیں نہ کہ آسمان کے بیچ میں۔ تو روس اور امریکہ کے خلائی پرواز اور چاند تک رسائی کا اگر اثر پڑتا ہے تو یونانی ہیئت اور بطلیموسی فلسفہ یا اسرائیلی روایات پر نہ کہ اسلام پر۔ چاند تو کیا اگر تمام کواکب تک بھی رسائی ہو جاتے تو بھی اسلامی تعلیمات پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔

اسلام کی غیبی تائید سائنس سے ہو رہی ہے

اللہ تعالیٰ ان سائنسدانوں کے ہاتھ سے اسلام کی غیبی تائید کرا رہا ہے اور ان پر اتمام حجت ہو رہی ہے۔ سائنسدانوں نے اربوں روپے خرچ کئے تب کہیں اوزار اور آلات کے ذریعہ چاند سے مشت خاک لاتے لیکن سید الرسل اور مسلمانوں کے ہادی اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے انگلی کے ایک اشارے سے چاند کے دو ٹکڑے کر دیتے کہ دونوں ٹکڑوں نے مکہ معظمہ کی پہاڑی کو بیچ میں لے لیا۔ پھر اسی طرح رب العزت نے چاند کے دو ٹکڑوں کو ملا دیا۔ اقتربت الساعة وانشق القمر وان یروا آیةً یقولوا سحرٌ مستمر (الآیۃ)۔ اتنا بڑا کارنامہ جب بلا راکٹ و اسباب اور بغیر کھربوں روپیہ ضائع کئے ظاہر ہوا تو یورپ کے خرد ماغوں نے اس معجزہ کی اب تک ہنسی اڑائی، فلاسفہ نے مذاق کیا مگر آج انہیں خود قائل ہونا پڑا کہ تمام سیارے خرق والتیام (پھٹنا اور جڑنا) اور توڑ پھوڑ قبول کرتے ہیں تو حقیقت تو یہ ہے کہ آج کی سائنسی تحقیقات سے اسلامی تعلیمات کی تائید ہو رہی ہے اور بحمد اللہ تعالیٰ جو لوگ معجزات کے منکر تھے اور محال سمجھتے تھے۔ ان دشمنانِ اسلام کی اپنی تحقیقات سے خدا نے ان کا منہ بند کر دیا ہے۔

قیامت اور معراج کی تائید

قیامت جو ان سیارات اور عالم کے فنا اور نیست و نابود ہونے اور نئے سرے سے دوبارہ قائم ہونے کا نام ہے۔ آج تک فلاسفہ اس نظام کو ناقابل تغیر مان کر اس کی قدامت کے قائل تھے۔ اس توڑ پھوڑ سے خود ہی حدوث عالم اور تغیر پذیر ہونے کے قائل ہو سکتے ہیں۔ اسلام نے جب اعلان کیا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اس جسد عنصری کے ساتھ خلاؤں سے اوپر تشریف

لے گئے اور ایک رات میں واپس ہوتے تو ان لوگوں نے انکار کیا کہ کروڑوں میل کی مسافت کیسے طے ہوتی اور بغیر آکسیجن کیسے زندہ رہے۔ آج کے خلاء نورد اس جسم خاکی کے ساتھ صرف چاند تک پہنچے اور بعض جگہ فی سیکنڈ ہزاروں میل کی رفتار سے پرواز کی۔

تو ملک الملک جو سموات وارض کا خالق ہے اس کا اپنے رسول کو پہنچانے میں کیا استحالہ رہا؟ **سبحان الذی اسریٰ بعبدہ لیلا** (پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندہ کو راتوں رات لے گیا)۔

رفع مسیح کی تائید

قرآن مجید نے اعلان کیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جسد عنصری کے ساتھ آسمان پر اٹھائے گئے۔ **بل رفعہ اللہ الیہ**۔ مگر جدید تعلیم یافتہ حضرات اسے ناممکن تبلاتے ہیں کہ اس جسم کے ساتھ پور کیسے زندگی گذر سکتی ہے مگر آج خود چاند مریخ اور زہرہ میں اپنے لیے الاٹمنٹ کرانا چاہتے ہیں گو ابھی یہ مرحلے بہت دور ہیں۔ ہنوز دلی دور است۔

آدم علیہ السلام کا نزول

اسلام نے تبلایا کہ حضرت آدم علیہ السلام اور حوا علیہا السلام اسی زمین سے پیدا ہوئے پھر انہیں جنت میں اٹھا لیا گیا، کچھ عرصہ گذارنے کے بعد خلافت ارض کے لیے انہیں زمین پر اتارا گیا، اس کا بھی ڈاروِن کی اولاد نے انکار کیا، مگر اسلامی تعلیمات نے تو تخلیق انسان حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر اب تک انسانی عروج اور صعود و نزول اور خلاء سے گزرتے رہنے کا تصور پیش کیا اور بطور ظہور معجزہ و قدرتِ خداوندی کے اس کی کئی مثالیں پیش کیں۔

تمام مسلمان ساتویں آسمان سے بھی اوپر جائیں گے

اسی طرح جنت کو لیجئے اور ہمارا عقیدہ ہے کہ تمام مومنین اور عباد مقربین جنت میں جائیں گے، پھر یہ بھی ذکر ہے کہ قیامت کے دن تمام آسمان اور زمین فنا ہو جائیں گے اس زمین اور آسمان کی جگہ جہنم لے لے گی اور عرش الرحمن کے نیچے اور سدرۃ المنتہیٰ کے پاس جنت ہوگی جو ساتویں آسمان سے اوپر ہے۔ تو گویا کل مسلمان سابقین و آخرین انشاء اللہ جب جنت میں داخل ہوں گے اور یہ داخلہ جسم اور روح دونوں کا ہوگا تو سب کی پرواز ساتویں آسمان اور اس سے اوپر ہوگی تب تو وہ جنت میں داخل ہوگا تو افسوس ہے کہ ایک ایسی امت اعداء اسلام کے لایعنی کارناموں سے مرعوب ہو یا اسے ناقابل تسلیم سمجھے۔ حالانکہ یہ تو صعود اور پرواز کا ادنیٰ درجہ ہے جو بطور اتمام حجت مادیت پرست قوموں کے ہاتھ پر ظاہر ہو رہا ہے۔

کونسا مسئلہ حل ہوا

پھر اس "عظیم کارنامے" سے کون سا انسانی مسئلہ حل ہوا، بھوک، افلاس، بیماری ختم ہو گئی؟ بغض عناد، کینہ اور زمانہ جنگی ختم ہوئی؟ طبقاتی اور رنگ و نسل کے جھگڑے ختم ہوئے؟ انسانیت کو کون سا فائدہ ہوا، کچھ بھی نہیں ابھی عداوت اور منافرت اور بھی بڑھ گئی ایک دوسرے پر فخر و غرور کیا جانے لگا پھر نتیجہ میں کون سا خاص تحقیقی انکشاف ہوا جس نے عالم کو حیرت میں ڈال دیا ہو۔ یہی کہ چاند عناصر سے مرکب خاکستری یا سرمئی رنگ کی چیز ہے جو سورج سے روشنی لے کر دنیا کو منور کرتی ہے مگر یہ تصور تو ظنی طور پر فلاسفہ قدیم نے بھی پیش کیا ہے۔ تصریح اور شرح چغمینی اٹھا کر دیکھیں۔ اس وقت سے انہوں نے اپنا خیال ظاہر کیا ہے کہ جرم قمر خاکستری ہے اور یہ عربی مقولہ تو زبان زد ہے کہ **نور القمر مستفاد من نور الشمس** (چاند کی روشنی سورج کی روشنی سے حاصل کی گئی ہے)۔

سائنس سے باطل مذاہب ہی متاثر ہونگے

گو ہماری نگاہ میں اس کارنامہ سے ایک ہی فائدہ تو حاصل ہوا وہ یہ کہ باطل مذاہب لرزہ براندام ہیں۔ یہودیت اور نصرانیت پر زلزلہ آگیا ہے اور آج کے اخبارات میں ہے کہ یہودیوں نے تو اپنی بعض عبادات میں ترمیم کر دی ہے اور کلیسا والے بھی واویلا کر رہے ہیں۔ فلاسفۂ یونان کی تغلیط ہوگئی۔ معجزات سے منکر شرمندہ ہوتے مگر اسلام کی تو سراسر تائید ہی تائید ہوگئی۔ کوئی مسئلہ اور کوئی عبادت نہ متاثر ہوئی اور نہ قیامت تک متاثر ہو سکے گی۔ **لا تبدیل لکلمات اللہ ذلک الدین القیم**۔ یہ تو دین قیم ہے اور قیامت تک زندہ رہنے والا دین ہے۔ خداوند کریم نے اتمام حجت نہ صرف دلائل سے بلکہ اس زمانہ کی سائنس کی بدولت حواس اور مشاہدہ سے بھی کرا دی۔

وحی اور اسلام کے دیگر دعووں کی تائید

جب اسلام نے اعلان کیا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو آسمانوں سے اوپر کی چیزیں نظر آتی تھیں اور وحی الہام کے ذریعہ انبیاء کرام رب العزت کی باتیں سن سکتے تھے تو اس کا انکار کیا گیا اور آج ڈھائی لاکھ میل دور خلائی جہاز والوں کے ساتھ گفتگو ہو رہی ہے۔ ٹیلیفون کئے جاتے ہیں اور ایک انسانی ایجاد ٹیلیویژن کے ذریعہ ڈھائی لاکھ میل دور کے حالات کا مشاہدہ ہو رہا ہے تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم روحانی قوت کے ساتھ بغیر آلات و وسائل کے کیوں جبرئیل امین اور خداوند کریم سے ہمکلام نہیں ہو سکتے اور اگر انہیں آسمانوں کا مشاہدہ ہو رہا تھا تو کیا تعجب تھا۔

معجزہ امکان کی دلیل ہے

اتنی بات یاد رہے کہ انبیاء کرام کے ہاتھوں ایسے امور کا ظہور بلاشبہ معجزہ تھا جو بغیر آلات و وسائل کے ہو جو کسی کے بس میں نہیں مگر اس سے بہر حال یہ تو ثابت ہوا کہ ذی روح جسم کا رفع الی السماء ممکن ہے۔ اس لیے کہ معجزہ نام ہے اس کا کہ کسی امر کا ظہور بطور خرق عادت کے ہو جاتے نہ کہ کسی محال کو ممکن بنا دے۔ اب اگر کوئی وسائل اور ذرائع کے ذریعے ایسا کر دے تو یہ ممکن ہے مگر اسے معجزہ نہیں کہا جاسکتا۔ مثلاً ایک شخص

(باقی صـــ پر)